ہمارے نظام تعلیم میں عربی کا مقام

ممتاز حسن

ترجمہ غلام حیدر آسی

کستان کے لئے عربی زبان کی اہمیت کی کئی وجوہ ہیں :-

۱) پاکستان اسلام اور اسلامی ثقافت کے تحفظ کے لئے معرض وجود میں آیا ہے ۔ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن و حدیث کا مطالعہ ضروری ہے ۔ اور اس کے لئے عربی زبان سے براہ راست واقفیت ناگزیر ہے ۔

۲) پاکستانیوں کے لئے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عربی زبان کا سیکھنا نسبتاً آسان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی اکثریت تقریباً روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہے اگرچہ ان میں سے بہت سے لوگ اس کے مطالب کو نہیں سمجھتے ۔ لیکن پڑھنے کے بعد سمجھنے کا کام اتنا دشوار نہیں رہتا ۔

وقتاً فوقتاً یہ تجاویز پیش کی جاتی رہی ہیں کہ پاکستان میں عربی زبان کو بطور قومی زبان اختیار کرلیا جائے ۔ یہ خیال پہلے پہل مرحوم آغا خان اور مرحوم زاھد حسین نے پیش کیا تھا ۔ ایم ۔ ایم ۔ متین صاحب نے تو اس موضوع پر ایک پوری کتاب لکھ ڈالی ۔

(۳) پاکستان اور تمام دنیائے اسلام میں عربی ھی ایک ایسی زبان ہے جو سب سے زیادہ غیر متنازع فیہ ہے ۔ جب کہ بدقسمتی سے پاکستان کی کسی بھی قومی یا علاقائی زبان کے ساتھ یہ بات نہیں ہے ۔ یہ امر ذھن نشین رکھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مابین مشترک دینی و ثقافتی رشتوں کو

مضبوط بنانے کے لئے عربی زبان ایک بنیادی ذریعے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور پاکستان میں تو یہ زبان قومی اتحاد کو بھی فروغ دے گی جو کہ ایک نظریاتی مملکت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ لسانی سیاست پاکستان کے لئے ایک مصیبت رہی ہے۔ اس کے تباہ کن اثرات ہم پہلے بھی بہت دیکھ چکے ہیں اور اس کے بعد تو مکمل تباہی کے آثار نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملک کی ہرزبان اپنے جائز مقام کی مستحق ہے لیکن تعلیم اور قومی زندگی کی تعمیر نو کے لئے کسی ایسی زبان کو بنیاد بنانا ضروری ہے جو ہر قسم کے اختلافات اور شک و شبہ سے پاک ہو۔ ایسی زبان صرف عربی ہے جس کو تمام دنیا کے مسلمان ہر روز استعمال کرتے ہیں اور اسے اپنی ہی زبان خیال کرتے ہیں خواہ یہ ان کی مادری زبان نہ ہو۔

(۴) اسلامی نظریہ، اسلامی تاریخ، اسلامی فلسفہ، اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت کے تمام شعبوں کے مطالعہ کے لئے عربی کا مطالعہ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یونیورسٹی سطح پر اسلامی نظریہ حیات ایک لازمی مضمون ہے جب کہ مسلمانوں کی تاریخ، اسلامی فلسفہ اور اسلامی علوم کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ عربی زبان پر عبور حاصل کئے بغیر ان میں سے کوئی علم بھی مناسب طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے بغیر تحقیق کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مغرب کی یونیورسٹیوں میں تو عربی زبان کی مناسب استعداد کے بغیر اسلامی تاریخ، اسلامی فلسفہ اور اسلامی علوم میں تحقیق کی اجازت ہی نہیں دی جاتی۔ ان یونیورسٹیوں میں عربی زبان و ادب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اور مغربی، ممالک جیسے جرمنی، ھالینڈ، فرانس، برطانیہ، روس، امریکہ اور دیگر ممالک کے دانشور مثلا نولڈیکے (Noldeke) و نسنک (Wensinck) گولڈزیہر (Goldzhier) مسینو (Massignon) براؤن (Browne) گب (Gibb) گرون بام

(Grunebaume) ھٹی (Hitti) وغیرہ اب تک دلیا کے چوٹی کے عربی داں شمار ہوتے ہیں ۔ ھالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی میں عربی علوم کی تعلیم و ترقی کا کام گذشتہ چار سو سال سے جاری ہے۔ یہ عربی تعلیم میں انہماک ھی کا نتیجہ ہے کہ یورپ کے علما نے دائرہ معارف اسلامیہ Encyclopaedia of Islam جیسا کارنامہ دنیا کے سامنے پیش کیا جیسے مسلم علما پیش نہ کرسکے۔ مسلمانوں کا کارنامہ بس اسی قدر ہے کہ انھوں نے اس مغربی تصنیف کا ترجمہ کردیا جب کہ مسلمانوں کی علمی فضیلت کے پیش نظر یہ کوئی بڑی بات نہیں ۔

(۵) عربی نہ صرف یہ کہ اسلامیات، مسلمانوں کی تاریخ، اسلامی فلسفہ، اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے بلکہ، انسانی تہذیب کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے بھی اس کتاب کا جاننا لابدی ہے ۔ ازمنہ وسطی میں جبکہ مسلمان علم و تمدن کے مشعل بردار تھے عربی زبان دنیا کی غالب علمی و ثقافتی زبان تھی لہذا عربی زبان میں مہارت حاصل کئے بغیر انسانی فکر و تہذیب کے ارتقا سے بخوبی آگاھی حاصل نہیں کی جاسکتی ۔ رابرٹ فلنٹ (Robert Flint) اپنی تصنیف فلسفہ تاریخ (Philosophy of History) میں لکھتا ہے کہ " بلا خوف تردید اس بات کا دعوی کیا جا سکتا ہے کہ ھماری تمام کتب تواریخ، ان کا تعلق تہذیب و تمدن سے ہو خواہ فلسفہ تاریخ سے، اپنے لکھنے والوں کی اسلامی تاریخ کے بعض گوشوں سے ناواقفیت کی بنا پر نقائص کا شکار ہیں ۔ غالبا علما کی کوئی بھی جماعت عرب مؤرخین سے مستفید ہونے والے مصنفین سے بہتر تاریخی سواد پیش نہیں کرسکتی ۔ از منۂ وسطی میں مسلمان مؤرخین نے جس طرح مسلم ممالک کی مکمل تاریخ منضبط کی ہے اسی طرح اس عہد کی عیسائی سلطنتوں کے بارے میں بھی مکمل مواد جمع کیا گیا ہے ۔ لہذا اول الذکر مؤلفین کا کارنامہ آخر الذکر کے مواد سے ہرگز کم اہم نہیں اور دونوں یکساں طور پر تعلیم یافتہ انسانیت کی مشترک میراث ہیں ۔

(۶) عربی زبان اردو بنگلہ اور دوسری علاقائی زبانوں کے لئے بھی بہت کار آمد ہے ۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں عربی کے بہت سے الفاظ براہ راست یا فارسی کی وساطت سے داخل ہو گئے ہیں ۔ اور اس طرح یہاں کی تمام زبانوں میں عربی ایک مشترک اور اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے ۔ آج جس طرح کہ یونانی اور لاطینی پڑھے بغیر انگریزی زبان کا ماہر بننا نا ممکن ہے اسی طرح عربی اور فارسی سیکھے بغیر اردو زبان میں کماحقہ مہارت پیدا کرنا ممکن نہیں ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اٹھارویں انیسویں نیز بیسویں صدی کے اوائل میں اردو کے مسلم الثبوت شعراء اور مصنفین بشمول ذوق و انشاء عربی زبان کے عالم تھے ۔ علی گڑھ کی علمی تحریک کے بانیوں کی جماعت اور اس کے قائد سر سید احمد خاں نیز ان کے رفقاء مثلاً شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد مرحوم شمس العلما شبلی مرحوم، شمس العلما الطاف حسین حالی مرحوم، نواب محسن الملک مرحوم، نواب وقارالملک مرحوم ، مولانا چراغ علی مرحوم اور انگریز رفیق کار سر تھامس آرنلڈ سب کے سب عربی زبان و ادب میں ید طولی رکھتے تھے ۔

کچھ عرصہ پہلے مرکزی ترقی اردو بورڈ لاہور نے ملک کے تعلیمی اداروں میں عربی اور فارسی سے بےاعتنائی برتنے کے رویہ پر شدید نکتہ چینی کی تھی ۔ بورڈ نے پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں اور سیکنڈری بورڈ آف ایجوکیشن کے سربراہوں کو ایک مراسلہ بھیجا تھا جس میں اس حقیقت پر زور دیا گیا تھا کہ اردو اور مغربی پاکستان کی علاقائی زبانوں کے مابین نیز اردو اور بنگلہ کے مابین جو مشترک عنصر موجود ہے وہ ان زبانوں میں عربی اور فارسی کے اثر و نفوذ کا مظہر ہے ۔ ضرورت ہے کہ اس مشترک عنصر کو اجاگر کرکے ان تمام زبانوں کے باہمی تعلق کو اور مستحکم بنایا جائے ۔ بورڈ نے ایک قرارداد

ں پاس کی تھی جیسے دیگر اداروں کے علاوہ پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں کے
براھوں کو بھی بھیجا گیا تھا ۔ قرار داد یہ تھی :-

بورڈ حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ قومی زبان اردو کے مفاد کے لئے
ز اس زبان اور علاقائی زبانوں کو ہم آہنگ بنانے اور ان کے ارتقاء کے لئے،
اتھ ہی قومی ثقافت کے ارتقاء کے لئے حسب ذیل اقدامات کے ماتحت پاکستان
کے تعلیمی نظام میں عربی اور فارسی کی تعلیم کو مناسب اہمیت دی جائے ۔

(ا) مڈل کی سطح تک ہماری ثقافتی زبانوں یعنی عربی اور فارسی
میں سے ایک کو لازمی قرار دیا جائے ۔

(ب) نویں اور دسویں جماعتوں میں آرٹس گروپ کے طلبہ کے لئے عربی
یا فارسی کا امتحان لازمی ہو اور دوسرے گروپ کے طلبہ کے لئے اختیاری ۔

(ج) مڈل سے لے کر یونیورسٹی تک عربی اور فارسی کی تعلیم کا
مناسب انتظام کیا جائے ۔ فارسی کے ذکر کے ساتھ یہ کہنا نا مناسب نہیں
کہ اس میں بھی عربی کے الفاظ کثیر تعداد میں ہیں حتی کہ نام نہاد جدید
فارسی میں اور ایرانیوں کی زبانوں پر عربی کے بیشتر الفاظ جاری ہیں ۔ یہی
وجہ ہے کہ ایران میں فارسی کی تعلیم کے ساتھ عربی کی تعلیم لازمی ہے ۔
پروفیسر براؤن جو یورپ کے سربرآوردہ مستشرقین میں سے ہیں اپنی مشہور
کتاب تاریخ ادب فارسی (Literary History of Persia) میں رقمطراز ہیں
"میں نے مشرقی علوم کے سیکھنے کا آغاز ترکی زبان سے کیا ۔ فوراً ہی
مجھے ترکی زبان سے فارسی زبان کی طرف منتقل ہونا پڑا کیونکہ ترکوں نے اپنی
ادبی اور ثقافتی روایات اہل فارس سے مستعار لی ہیں ۔ پھر جلد ہی مجھ پر یہ حقیقت
واضح ہوگئی کہ عربی زبان و ثقافت کی تحصیل کے بغیر فارسی میں معمولی سی
واقفیت پیدا کرنے کی بھی امید نہیں کی جاسکتی" ۔ آگے چلکر پروفیسر براؤن
اپنی اسی تالیف میں پھر اس اہم نکتے پر زور دیتے ہیں "یہ امر یقینی ہے کہ

عربی زبان سے معتدبہ واقفیت کے بغیر فارسی زبان و ادب اور ایرانیوں کے انداز فکر، ترکی زبان و ادب اور برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی تاریخ نیز دیگر اسلامی ممالک کے بارے میں تسلی بخش معلومات حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور ان ادبیات کی اہمیت عربی زبان کی واقفیت کی نسبت سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ اپنے فکر انگیز مضمون ''ہمارے لئے عربی سیکھنا کیوں ضروری ہے؟'' (Why We Learn The Arabic Language) میں جان بیکمن (Johonn Beckmann) کے ایک فکر انگیز قول کا حوالہ دیا ہے جو عربوں کے سائنسی کارناموں اور عربی زبان کی اہمیت کے بارے میں ہے۔ جان بیکمن جو تاریخ ایجادات (History of Inventions) کا مؤلف ہے لکھتا ہے ''عرب کتنی عظمت والے تھے! ہم ان کے ممنون ہیں۔ ۔ ۔ ، میں نہایت شوق سے عربی سیکھوں گا''۔ بدقسمتی سے بیکمن کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ عربی نہ سیکھ سکا۔

(۷) برصغیر پاک و ہند میں ہمارا بیشتر ثقافتی ورثہ جس پر ہم بجا طور پر ناز کرسکتے ہیں عربی زبان میں ہے۔ تقریبا ہر دور میں کچھ نہ کچھ ایسے قابل ذکر علماء گذرے ہیں جنہوں نے اپنی بیش بہا تالیفات کے ذریعے علمی دنیا میں برصغیر ہند و پاک کا نام روشن کیا ہے۔

مثال کے طور پر چند نام درج کئے جاتے ہیں۔ امام صاغانی لاھوری عربی کے ایک مایہ‌ناز لغت نویس ہیں، ان کی العباب اور مجمع البحرین نیز مشارق‌الانوار بے نظیر تالیفات ہیں۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، تفسیر و حکمت کی کتابوں پر ان کے حواشی اب تک عرب ممالک میں شامل نصاب ہیں۔ کنزالعمال کے مصنف علی المتقی ہندی شہرت عام کے مالک ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، ان کی بعض تالیفات اسلامی دنیا کی مشہور یونیورسٹیوں میں اب تک داخل نصاب ہیں۔

(۸) عربی ادب خصوصا عربی شاعری انسانی تاریخ میں انسانی جذبات و تجربات کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔ مسلمانوں کے دور عروج میں

ربی زبان نے دنیا کی اولین سائنسی زبان کی حیثیت سے ترقی کی۔ ابو علی سینا، جابر بن حیان، ابوبکر زکریا رازی، الکندی، الخوارزمی، البیرونی، ابن الهیثم جیسے اکابر سائنسدانوں نے اپنی سائنسی تحقیقات عربی زبان کی وساطت سے دنیا کو پہنچائیں۔ ازمنہ وسطی میں ان کی تصنیفات کا لاطینی ترجمہ عام طور پر ان علوم کے ماہرین میں متداول رہا اور یورپ کی بہت سی یونیورسٹیوں میں یہ تراجم داخل نصاب رہے۔

عربی زبان پاکستان میں بے اعتنائی ہی نہیں معاندت کا شکار رہی۔ فکری اور ذهنی تربیت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہ زبان معدوم ہوگئی۔ برطانوی عہد میں فارسی زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا خاص اهتمام تھا۔ پاکستان بننے کے بعد نصاب کو کچھ اس طرح مرتب کیا جاتا رہا کہ عربی زبان کو ثانوی درجہ بھی نہیں دیا جاتا۔ آج پاکستان کی یونیورسٹیوں سے ایک طالب علم عربی پڑھے بغیر نیز اسلامیات کے بنیادی مآخذ سے براہ راست آشنا ہوئے بغیر اسلامیات میں بی۔اے۔ اور ایم۔اے کی اعلی ڈگریاں حاصل کرسکتا ہے۔ یہی حال اسلامی تاریخ، اسلامی فلسفہ، اسلامی فقہ و قانون اور دیگر اسلامی مضامین کا ہے۔ اردو لکھنے والوں کی کثیر تعداد عربی اور فارسی سے نا آشنا ہے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو ان زبانوں سے کھلی عداوت رکھتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اردو زبان بھی اپنے عاقبت ناشناس حامیوں کے ہاتھوں علمی زبان کی حیثیت سے روبہ تنزل ہے۔ وہ بسا اوقات یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ عربی اور فارسی کی اعانت کے کے بغیر اردو زبان میں سائنسی علوم اور علوم انسانی کی علمی فضا کسی طرح نشوونما نہیں پاسکتی۔ اگر اس سلسلہ میں جلد کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا تو اس ملک میں نہ صرف علمی فضا معدوم ہوتی چلی جائے گی بلکہ پاکستانی قوم ایک اہم ذریعہ اتحاد سے بھی محروم ہو جائے گی۔ اور اس طرح پاکستان کے عوام انتشار کے شکار ہوجائیں گے۔